مسائل
پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

اگر کسی کو کچھ کلمے یاد نہ ہوں تو اس کا کیا حکم ہے

سوال: جب کوئی آدمی کلمۂ توحید پڑھ لے تو وہ مسلمان ہوگیا، پھر عام طور پر جو مشہور ہے اور نماز و وظائف کے چھوٹے چھوٹے رسالوں میں جو چھ کلمے لکھے ہوئے ہیں اور عام طور سے بچوں کو یاد کرائے جاتے ہیں، کیا یہ کلمے بھی اسلام کی بنیاد شمار کیے جائیں گے یا نہیں؟ اگر یہ کلمے کسی کو یاد نہ ہوں تو اس کے اسلام میں فرق ہوگا یا نہیں؟

نیز پانچویں کلمے کے الفاظ میں فرق ہے: بعض رسالوں میں "استغفر اللہ ربی من کل ذنب أذنبتہ..." اور بعض رسالوں میں "استغفر اللہ أنت ربی وأنا عبدك..." ہے، دوسری قسم کے الفاظ عام نہیں ہیں، براہِ کرم اس کی وضاحت فرمادیں!

جواب: اسلام کی بنیاد دراصل ان عقائد پر ہے جو ایمانِ مفصل میں بیان کیے گئے ہیں، لہٰذا ان عقائد پر ایمان رکھنا تو مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح کلمۂ توحید یا کلمۂ شہادت چونکہ اپنے عقائد کا اجمالی اعلان ہے، اس لیے یہ ہر مسلمان کو یاد ہونا چاہیے، باقی جو کلمات نماز وغیرہ کی کتابوں میں لکھے ہوتے ہیں، انہیں بچوں کی تعلیم کی آسانی کے لیے لکھ دیا گیا ہے، ورنہ درحقیقت ان کا وہ مقام نہیں جو کلمۂ توحید، کلمۂ شہادت یا ایمانِ مفصل کا ہے۔ اگر یہ کلمات کسی کو یاد نہ ہوں تو اس سے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، البتہ چونکہ ان کلمات کا پڑھنا باعث موجب اجر و ثواب ہے اور مسلمانوں کو ان کا وِرد رکھنا چاہیے، اس لیے بچوں کو یہ کلمات سکھادینے چاہئیں۔

کلمۂ استغفار میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ احادیث میں استغفار کے مختلف صیغے وارد ہوئے ہیں، ان میں سے جو صیغہ بھی پڑھ لیا جائے مقصود حاصل ہے، کیونکہ معنی کے لحاظ سے کوئی خاص فرق نہیں ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے درود شریف کے مختلف صیغے احادیث سے ثابت ہیں۔

مسئلہ تقدیر کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ

سوال: جب ہر چیز تقدیر میں لکھی ہوئی ہے اور اس سے مخالفت نہیں ہوسکتی تو پھر انسان سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں، ان پر اس کی گرفت کیوں ہوتی ہے؟

جواب: واضح رہے کہ احادیث مبارکہ کی رُو سے تقدیر کے مسئلہ میں بے جا بحث و مباحثہ ممنوع ہے، کیونکہ یہ نازک موضوع ہے اور ہر ذہن کے لیے اس کی تہہ تک پہنچنا مشکل ہے، اس لیے اس بارے میں اشکال ذہن میں لانا اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنا ہے۔

جہاں تک مذکورہ بالا سوال کا تعلق ہے تو یہ سوال غلط فہمی پر مبنی ہے۔ تقدیر سے مخالفت نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں انسانی زندگی تقدیر کے تابع ہے اور تقدیر ہی اس کے لیے سبب ہے، جس کی وجہ سے انسانی زندگی کے اعمال معرضِ وجود میں آتے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی زندگی اللہ تعالیٰ کے سامنے تھی اور اللہ تعالیٰ کا علم قطعی اور یقینی ہے، اس لیے انسان زندگی بھر اپنے اختیار سے جو کچھ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو تقدیر میں لکھا ہے، اللہ تعالیٰ کے علم سے مخالفت ناممکن ہے، اس لیے تقدیر سے خلاف ورزی نہیں ہوسکتی، گویا تقدیر انسان کے عمل کا نتیجہ ہے، سبب نہیں۔

کسی مریض کو اس کی حقیقی بیماری سے آگاہ نہ کرنا

سوال: قریب الموت یا لاعلاج مریضوں کو ان کے رشتہ دار مرض کی صحیح صورت حال سے بے خبر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں

اور ڈاکٹر کو مجبور کیا جاتا ہے کہ مریض کو غلط تشخیص بتائی جائے، جبکہ ڈاکٹر کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ مریض کو غلط اطلاع نہ دے، کیونکہ اگر مرض لاعلاج ہے تو یہ بیمار کا حق ہے کہ اگر وہ اپنی زندگی کے کچھ فیصلے کرنا چاہے، جیسے: وصیت، قرض اتارنا وغیرہ تو اسے صحیح انجام سے باخبر کیا جائے۔ شرعی نقطہ نظر سے اس نازک موقع پر کیا کیا جائے؟

جواب: واضح رہے کہ کسی شخص کے ذمہ اگر کچھ حقوقِ واجبہ ہوں تو ان کے متعلق وصیت کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس میں مرض یا قریب الوفات ہونے کی کوئی تخصیص نہیں، بلکہ ایسے حقوق کے متعلق واضح وصیت کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ صورت مسئولہ میں وصیت کے پیشِ نظر مریض کو صحیح تشخیص سے آگاہ کرنا ڈاکٹر کی ذمہ داری قرار دینا اگرچہ کچھ حد تک درست ہے، لیکن چونکہ لاعلاج یا مہلک مرض کی خبر ملنے سے عموماً مریض کی حالت مزید بگڑ جاتی ہے، وہ اپنی بیماری کے ساتھ ساتھ نفسیاتی بیماریوں کا بھی شکار ہو جاتا ہے اور جزع فزع اور آہ و بکا شروع کرنے لگتا ہے، لہٰذا جہاں کہیں لاعلاج مریض کو صحیح تشخیص بتانے سے غلط اور مضر اثرات مرتب ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں ڈاکٹر کے لیے شرعاً گنجائش موجود ہے کہ وہ توریہ یعنی گول مول بات سے کام لیتے ہوئے مریض کے ساتھ تسلی آمیز گفتگو کرے اور صحیح تشخیص سے اسے آگاہ نہ کرے۔ ہاں صریح جھوٹ سے حتی الامکان احتراز کرنا ضروری ہے اور جن اعزہ و اقارب کو صحیح تشخیص سے آگاہی حاصل ہوئی ہو ان کو چاہیے کہ حکمت کے ساتھ کسی ایسے طریقہ سے اس مریض سے وصیت کروائے کہ وہ اپنا مرض سمجھے بھی نہیں اور وصیت بھی کرلے۔

جدائی کے وقت "خدا حافظ" کہنے کا حکم

سوال: موجودہ دور میں رخصت کے وقت "السلام علیکم" کے بجائے "خدا حافظ" کہنے کا رواج عام ہوگیا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ رسم ناجائز ہے۔ اگر "السلام علیکم" کے بجائے "خدا حافظ" کہا تو شریعت کی تحریف ہے اور اگر "السلام علیکم" کے بعد کہا تو یہ شریعت پر زیادتی ہے۔ اگر "السلام علیکم" کے بعد مطلقاً کبھی کچھ دعائیہ کلمات کہہ دیے جائیں تو ان کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، مگر انہی الفاظ (خدا حافظ) کے التزام سے واضح ہے کہ رخصتی کے موقع پر اپنی طرف سے مخصوص الفاظ متعین کیے جا رہے ہیں جس کا دین میں زیادتی ہونا ظاہر ہے اور اگر یہ اصطلاح (خدا حافظ) کسی غیر قوم سے لی گئی ہے تو یہ اور زیادہ بُرا ہے۔

نوٹ: بوقتِ وداع رخصت ہونے والے کو یہ دعا دی جائے:

أَسْتَوْدِعُ اللهَ دِينَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيمَ عَمَلِكَ (ترمذی، ابوداؤد)

حیض کی چند صورتیں اور ان کا حکم

سوال: ایک عورت کی عادت ہے کہ اس کو سات دن ماہواری آتی ہے، لیکن اگر اس کو تین دن سے بھی کم مدت ماہواری آئے یا تین دن یا اس سے زیادہ دن آئے، لیکن عادت (سات دن) سے پہلے بند ہو جائے یا سات دن سے زیادہ آئے تو ان تمام صورتوں میں اس کے لیے کیا حکم ہوگا؟

جواب: واضح رہے کہ ماہواری کی مدت کم سے کم تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ دس دن۔ عام طور پر مستورات کی عادت کے دن مقرر ہوتے ہیں، مثلاً سات دن۔ اب خون بند ہونے کی چند صورتیں ہوسکتی ہیں:

1... خون تین دن سے کم میں بند ہو جائے۔ اس صورت میں عورت کو انتظار کرنا چاہیے کہ کچھ دن وقفے کے بعد دوبارہ نہ شروع ہو جائے، اگر دوبارہ آئے تو مدتِ حیض میں یہ وقفہ بھی حیض ہی شمار ہوگا۔ اور اگر تین دن سے کم میں بند ہو کر پھر نہ آئے تو یہ حیض نہیں، ان دنوں کی نمازیں لوٹائی جائیں۔

2... خون تین دن یا زیادہ آئے، لیکن عادت سے پہلے بند ہو جائے۔ اس صورت میں عورت کو عادت تک انتظار کرنا چاہیے، اگر دوبارہ پھر نہیں آیا تو جب سے بند ہوا اس وقت سے پاک سمجھی جائے گی، اس کو اتنی نمازیں قضا کرنی ہوں گی۔

3... خون عادت پر بند ہوا۔ اس کا حکم واضح ہے کہ غسل کرکے نماز پڑھے۔

4... خون عادت سے بڑھ جائے۔ اس صورت میں اگر دس دن کے اندر اندر بند ہو جائے تو یہ حیض ہی شمار ہوگا اور سمجھیں گے کہ عادت بدل گئی۔ اور اگر دس دن سے بڑھ جائے تو عادت سے زیادہ جتنے دن گزرے ہیں وہ پاکی کے شمار ہوں گے اور ان کی نمازیں لوٹانی ہوں گی۔

کیا ٹوتھ برش مسواک کی سنت کا بدل ہے؟

سوال: ہم علما سے یہ سنتے آئے ہیں کہ مسواک کرنا سنتِ نبوی ﷺ ہے اور اس کا بہت اجر ملتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ لازمی ہے کہ لکڑی کی بنی ہوئی مخصوص قسم کی مسواک سے منہ صاف کیا جائے؟ کیا یہ کافی نہیں کہ صرف منہ صاف کیا جائے چاہے کوئی بھی شے اس مقصد کے لیے استعمال کی جائے، جیسا کہ آج کل لوگ برش اور ٹوتھ پیسٹ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ کیا ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنے سے مسواک کا ثواب نہیں ملتا، جبکہ مقصد صرف منہ کو بدبودار ہونے سے روکنا اور صاف رکھنا ہے؟

جواب: واضح رہے کہ اصل چیز تو مسواک ہی کا استعمال ہے، وہ اگر نہ ہو تو برش وغیرہ بھی اس کے قائم مقام ہوسکتے ہیں، لیکن سنت کا ثواب مسواک ہی سے ملے گا۔

تعارف

جَو کو عربی میں الشعیر اور انگریزی میں Barley کہتے ہیں۔ اس کا نباتاتی نام HordeumVulgare ہے۔ اس کا مزاج سرد وخشک ہے۔

جَو ہند و پاک کا برصغیری مشروب ہے جو بڑے کام کے اناج سے بنایا جاتا ہے۔ مگر کئی اناجوں کی طرح ہم اس پر توجہ دینے کے بجائے فاسٹ فوڈ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ہمارے یہاں روٹی پکانے کے لیے گندم کا آٹا کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس غلط فہمی کا شکار ہونے سے بچیئے کہ گندم کے آٹے سے ہی بھرپور غذائیت حاصل ہوتی ہے۔

فوائد

- جَو ذیابطیس، کولیسٹرول کی زیادتی اور موٹاپے کے علاج میں بھی مفید ہے۔
- جو یرقان اور ہیپاٹائٹس میں بھی مفید ہے۔
- یہ گرمی کی شدت کو کم کرتی، پیاس بجھاتی اور صفراوی اخلاط کا قلع قمع کرتی ہے۔
- جَو کے ریشے قولون کے سرطان سے بھی بچاتے ہیں۔
- جَو کے ساتھ گل بابونہ ملا کر جوشاندہ تیار کیا جائے تو یہ گردے کی پتھری سے نجات دلانے کے لیے بہترین ہے۔
- جَو میں ناحل پذیر اجزا شامل ہیں جو اسہال، سوزش، درد، نظامِ ہضم کی خرابیوں اور ناسوروں کے علاج میں مفید ہیں۔
- مریضوں کے لیے جَو کا پانی بے حد مفید اور غذائیت بخش ہے۔ خاص طور پر اسہال، معدے اور آنتوں کی سوزش کے لیے کار آمد ہے۔

جَو دیگر تمام اناجوں سے زیادہ مفید ہے۔ اس کی روٹی ثقیل ہونے کے باعث قدرے قابض اور دیر ہضم ہوتی ہے اور بدن میں خشکی پیدا کرتی ہے۔ کھانسی، دمہ، گرمی کا سر درد، پیاس اور معدے کا درد سبھی دور کرتا ہے۔ خصوصاً معدے کے السر کے مریضوں کو ہلکی غذا کے طور پر استعمال کرانا مفید ہے۔ جَو کا استعمال اندرونی اعضا کے لیے مفید ہے، خاص طور پر جگر گردے اور مثانے کی گرمی کو ختم کرنے کے علاوہ ان کے جملہ افعال کو درست کرتا ہے۔ جَو کا آٹا بے حد غذائیت بخش ہوتا ہے۔ اپنی غذائی حیثیت کی بنا پر یہ بیماروں کے لیے بے حد مفید غذا ہے۔ اسے دودھ میں ملا کر استعمال کرنا کئی ادویہ سے بہتر ہے۔ سائنسی تحقیق کے مطابق گرم مزاج اور موٹے افراد کے لیے بے حد مفید ہے۔ کیونکہ اس میں پوٹاشیم کاربونیٹ پایا جاتا ہے۔

جَو انبیا علیہم السلام کی پسند

تاریخ بتاتی ہے کہ تمام پیغمبر اپنی زندگی میں جَو کی روٹی استعمال کرتے رہے۔ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی غارِ حرا میں عبادت کے لیے تشریف لے جاتے تو جَو کی روٹی یا ستو ساتھ رکھتے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اکثر جَو کی روٹی تناول فرماتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔ بھوک لگنے پر اکثر جَو کا ستو تناول فرمالیتے۔“

جَو کی کھیر

کمزور بچوں کو صحت مند بنانے کے لیے جَو کی کھیر لاجواب ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی بھی مقدار میں جَو لے کر پانی میں بھگو دیں، تاکہ ان کے اوپر کا چھلکا نرم ہو کر اتر جائے، اس کے بعد اسے دودھ میں ڈال کر پکائیں اور چینی یا شہد شامل کرلیں۔ بچوں کی غذائی ضرورت پوری کرنے کے ساتھ ساتھ یہ سینے اور پیٹ کے امراض میں بھی مفید ہے۔

تلبینہ

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار کے لیے تلبینہ تیار کرنے کا حکم دیا کرتی تھیں۔ یہ جَو سے بنایا جانے والا ایک قسم کا کھانا ہے۔ پیغمبرِ اسلام کے ارشاد کے مطابق یہ انسان کے لیے بے حد مفید ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کھانے کو دل کے امراض کا علاج بتاتے تھے۔ جب کوئی بھوک کی کمی کی شکایت کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تلبینہ کھانے کا حکم دیتے اور فرماتے کہ یہ تمہارے معدے کو غلاظت سے پاک کردے گا۔

جَو کی کاشت

تاریخی اعتبار سے بطورِ اناج سب سے پہلے ایتھوپیا کے علاقے میں جَو کی کاشت ہوئی۔ حضرت سلیمانؑ کے زمانے تک اسے باقاعدہ فصل کے طور پر کاشت کیا جانے لگا۔ آپؑ کے دور میں اس کی پیداوار اس کثرت سے ہوتی کہ دوسرے ملکوں کو بھی برآمد کیا جاتا۔

رنجیدہ دل کو قوی بناتا ہے

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہل خانہ میں سے کسی کو بخار ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جَو کا حریرہ پینے کا حکم دیتے اور فرماتے کہ یہ رنجیدہ دل کو قوی بناتا اور بیمار کے دل کو دھوتا ہے۔ جیسے تم میں سے کوئی اپنے چہرے کا گرد وغبار پانی سے دھوتا ہے۔

سستا نسخہ

گندم کے آٹے کی غذائی اہمیت بڑھانے کے لیے اطبا تجویز کرتے ہیں کہ اس میں جَو اور چنے کا آٹا شامل کیا جائے تو یہ صحت برقرار رکھنے کا سستا نسخہ ہے، اس مقصد کے لیے دس کلو گندم میں ڈھائی کلو جَو اور ڈھائی کلو کالے چنے ملا کر آٹا پسوالیا جائے۔ جَو کے بیج بھون کر کافی کی جگہ استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ جَو کے پانی سے غسل کرتے رہنے سے جِلد بے حد خوبصورت ہو جاتی ہے۔

ذیابطیس کا علاج بھی... وزن کی کمی بھی

تجربات سے معلوم ہوا ہے کہ اس میں پائے جانے والے ریشے معدے میں دیر تک ٹھہر کر خوراک سے نشاستہ جذب ہونے کے عمل کو سُست کر دیتے ہیں۔ چناں چہ یہ ذیابطیس کا علاج اور وزن کم کرنے میں معاون ہیں۔ زیادہ مقدار میں جَو کا استعمال ذیابطیس کے مریضوں کے لیے نقصان دہ ہے کیونکہ یہ خون میں شکر کی مقدار بے حد کم کر سکتا ہے۔ تاہم شکر کی کمی اپنی عمومی علامات مثلاً پسینہ آنے، گفتگو میں رکاوٹ، عضلات کی غیر ارادی حرکات کے ساتھ ساتھ بیہوشی اور موت کا سبب بھی بن سکتی ہے۔

جَو کی فضیلت

حضرت ام المنذر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ساتھ تھے جو بیماری کی وجہ سے کمزور تھے اور ہمارے پاس کھجوروں کے خوشے لٹکے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس میں سے کھانے کے لیے کھڑے ہوئے اور علی رضی اللہ عنہ بھی کھڑے ہوئے، تاکہ کھائیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (حضرت علی رضی اللہ عنہ سے) فرمانے لگے: ”ابھی تم بیماری سے اُٹھے ہو نقاہت ہے، ٹھہر جاؤ حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ (کھانے سے) رُک گئے۔“ امّ المنذر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے جَو اور چقندر پکا کر لایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ”اے علی! تم اس میں سے لو، یہ تمہارے لیے بہت مفید ہے۔“ (ابو داؤد)

آبِ جَو قبض کشا

آپ آب جَو بنانے کے لیے 60 گرام جَو کو 4 لیٹر (یعنی سولہ گلاس) پانی میں اُبالیں۔ پانی پکتے ہوئے جب کم ہو کر نصف رہ جائے تو اتار لیں اسے سادہ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر اُبالتے وقت پانی میں دو اونس خشک انجیر شامل کر دیں تو آب جَو قبض کشا بھی بن جاتا ہے۔ مزید طاقتور اور خوش ذائقہ بنانے کے لیے اس میں دو اونس کشمش بھی ملائی جاسکتی ہے۔ دن میں تین چار بار یہ پانی ایک پیالہ پینا عام خوراک ہے۔ جَو کے بیجوں کو پلٹس کی شکل میں زخموں خاص طور پر جھلسی ہوئی جگہ پر استعمال کیا جاتا ہے۔

احتیاطیں

- زیادہ مقدار میں جَو کا استعمال ذیابطیس کے مریضوں کے لیے نقصان دہ ہے کیونکہ یہ خون میں شکر کی مقدار بے حد کم کر سکتا ہے۔
- دودھ پلانے والی ماؤں کو جَو کسی بھی شکل میں استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ دودھ کی مقدار کم کرتا ہے، البتہ جن خواتین میں دودھ زیادہ موجود ہو وہ جَو کا استعمال کر کے اسے متعدل بنا سکتی ہیں۔

عموماً کسی بھی شخص کی شخصیت 'اس کی عادات واطوار سے تشخیص کی جاتی ہے اور یہی طور طریقے اس کی پہچان بن جاتے ہیں۔ سوایک خاندان میں بہت سے لوگ الگ تھلگ پہچان رکھتے ہیں 'لیکن میرے خاندان میں کسی کی بھی پہچان مجھ سے میل نہیں کھاتی 'کیوں کہ میری فائدہ مند عادت ہے نوٹ کرنا۔ اب اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں سامنے والے کے نوالے گنتی ہوں یا اس کی تجوری کا حساب کتاب رکھتی ہوں یا وہ کہاں جارہا ہے 'کس سے مل رہا ہے ' بالکل بھی نہیں...!! بلکہ میں جو نوٹ کرتی ہوں وہ یہ ہے کہ سامنے والا کیا بولتا ہے؟ کیا سوچتا ہے؟ کیسے رہنا پسند کرتا ہے؟ یوں سمجھیں سامنے والے کا مفت میں انٹرویو ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنی قریبی دوستوں اور چاچا کا انٹرویو کر اور سن رکھا ہے۔
اس مرتبہ میں نے اپنی نئی نویلی دوست کو جالیا اور باتوں باتوں میں اُن کا پورا انٹرویو کر لیا اور انھوں نے اَن جانے میں خوشی خوشی جو انٹرویو دیا وہ پیشِ خدمت ہے :

"ویسے آپ کا پورا نام کیا ہے؟"
"جویریہ سہیل۔"
"اور تاریخِ پیدائش بمع دن اور سال؟"
"12 جنوری 2009
"موجودہ تعلیم؟"
"آٹھ کلاسیں"
"پسندیدہ شخصیت؟"
"باجی (میری بہن)۔"
"پسندیدہ وقت؟"
"شام 5 بجے 'جب تھوڑی دھوپ ہو۔"
"پسندیدہ شعر؟"
اخلاق ہوں تو دو بول بہت ہیں
انسان کو سمجھ آتی ہے محبت کی زبان
"بہترین ایجاد؟"
"کار"
"کون سے سفر سے خوف آتا ہے؟"
"بہت تیز ڈرائیونگ سے۔"
"شدید بھوک میں آپ کا ردِّ عمل؟"
"خود اٹھ کر جاتے ہیں کچن میں اور کھا لیتے ہیں۔"
"اپنی خوشی اور غم کا اظہار کیسے کرتی ہیں؟"
"لکھ کر۔"

"آپ کی زندگی کا مقصد؟"
"تدریس"
"آپ کا قیمتی اثاثہ؟"
"میرے سارے بھائی۔"
"کوئی واقعہ جسے آپ بھول نہ پائی ہوں؟"
"پہلا روڈ ایکسڈنٹ۔"

"کس قسم کے لوگ برے لگتے ہیں؟"
"خشک مزاج۔"
"فطرتاً آپ کیسی ہیں؟"
"خوش مزاج۔"
"گھر کا کون سا کام کرنا پڑتا ہے یا پسند ہے؟"
"گھر کا کام کرنا پسند نہیں ہم کام چور ہوں۔"
"آپ کی کون سی عادت گھر والوں کا موڈ خراب کر دیتی ہے؟"
"بات کے درمیان میں بولنا۔"
"شدید تھکن کے باوجود کیا کرنے کے لیے تیار رہتی ہیں؟"
"باجی کی الماری کی چیکنگ۔"
"اگر آپ کی جاسوسی پر کسی کو مامور کیا جائے تو اس کا پہلا انکشاف کیا ہوگا؟"
"خود مختار سی لڑکی ہے۔"
"میرے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"
"غضب کی شخصیت ہے آپ کی۔"
"اگر کوئی آپ کے ہاتھ سے سامان چھین کر بھاگ جائے تو آپ کیا کریں گی؟"
"ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔"

یاد رہے کہ اس انٹرویو میں ان سے 56 سوالات پوچھے گئے 'جن میں سے 20 چیدہ چیدہ سوالات لکھے گئے ہیں۔ کہنے والے تبھی تو کہتے ہیں کہ
انٹرویو لینا آسان کام نہیں ہے
اور ہاں! انٹرویو کا ایک اہم اُصول کبھی نہ بھولیں ' وہ یہ کہ جس سے آپ سوالات کر رہے ہوں ' اسے یہ معلوم نہ ہو کہ آپ اس کا انٹرویو لینا چاہتے ہیں ' بس باتوں باتوں میں ہی سوالات پوچھتے جائیں اور اگر کسی بھی طرح سے سامنے والے کو یہ معلوم گیا کہ آپ انٹرویو لینا چاہ رہے ہیں تو ہو سکتا ہے پھر بولتی بند ہی ہو جائے۔ تو آپ بھی اپنے حلقۂ احباب کے سر پر انٹرویو لینے کے لیے سوار ہو جائیں یا پھر فہمِ دین کے کسی شخص کے پاس حاضر ہو جائیں۔
پھر کیا خیال ہے آپ کا؟؟؟

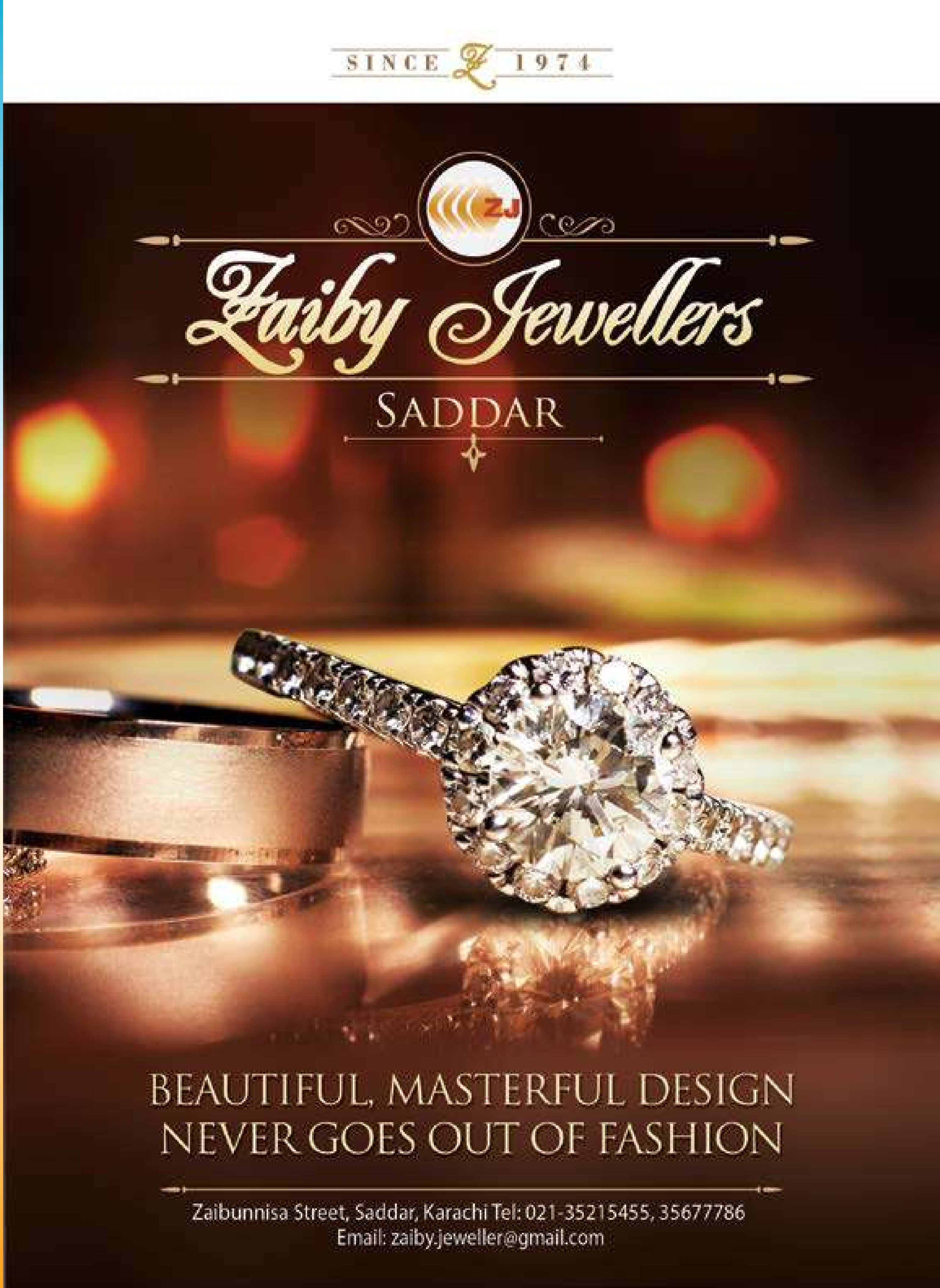

وہی تو ہے

آخری قسط

آج اسی رب کی تلاش میں جگہ جگہ دھکے کھا رہا تھا۔اس کے تینوں بیٹے دس سال کی عمر کے بعد سے مسلسل بخار میں مبتلا رہتے اور پھر چودہ سال تک پہنچ کر ان کے نیچے کا دھڑ قطعی طور پر معذور ہو جاتا۔اس کے دونوں بڑے بیٹے اس حال کو پہنچ چکے تھے۔اس نے اپنے بچوں کے لیے مستقل طور پر ایک ڈاکٹر رکھ لیا تھا‘جس کی تمام ترتدابیر کے باوجود بڑے کے بعد چھوٹا بھی معذور ہو کر وھیل چیئر تک محدود ہو گیا اور اب تیسرے کی باری تھی جو مسلسل دو سالوں تک بخار میں مبتلا تھا۔اپنے بیٹے کو معذوری سے بچانے کے لیے احسن جیسا شخص ساری دنیا کی خاک چھان رہا تھا‘ اسے تلاش تھی کسی ایسے دَر کی جو اس کے تیسرے بیٹے کو معذور ہونے سے بچالے۔ اللہ پر تو اسے یقین تھا ہی نہیں تو پھر وہ اس سے کیسے مانگتا؟اور جہاں تک سائنس کا تعلق تھا تو وہ اس کے کسی کام نہ آئی تھی‘ یہاں تک کہ اس کی بے تحاشہ دولت بھی اس کے بیٹوں کو معذور ہونے سے نہ روک سکی۔اب وہ مانے یا نہ مانے‘ مگر میرے رب نے اسے اپنا ہونے کا احساس دلا دیا تھا۔تاؤجی کے منہ سے نکلنے والے الفاظ قبول ہو گئے تھے اور احسن جیسا اللہ کا نافرمان منہ کے بل زمین پر آگرا تھا۔یہی وجہ تھی جو وہ اپنے اس باپ کے مردہ وجود سے معافی کا طلب گار تھا‘جس کی زندگی اس جیسے کافر اور ناہنجار بیٹے نے برباد کر دی تھی‘جو اپنے بیٹے کے اس فعل کے بعد کبھی خوش نہ رہا اور اسی دکھ میں قبر کی مٹی میں اتر گیا کہ وہ ایک کافر کا باپ ہے۔

احسن مجھ سے مل کر معافی مانگنا چاہتا تھا اور یہ بات وہ کئی دفعہ رامس سے کہہ چکا تھا۔یہی وجہ تھی جو آج رامس نے اسے اور شارلین (احسن کی رشین بیوی) کو ڈنر پر انوائیٹ کر لیا اور نا چاہتے ہوئے بھی مجھے ان مہمانوں کو سرو کرنا پڑا‘کیوں کہ مہمان نوازی ہمارے دین کا دیا ہوا ایک ایسا سبق ہے‘ جسے چاہ کر بھی ہم رد نہیں کر سکتے‘ بہر حال میں اس رات پہلی بار شارلین سے ملی‘جب کہ احسن کا صرف چھوٹا بیٹا ان کے ساتھ تھا۔خوشگوار ماحول میں ڈنر ہوا‘جس کے بعد احسن میرے سامنے آبیٹھا‘کیوں کہ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔

”دُرِ شہوار“آہستہ سے کہتا ہوا وہ کھنکارا”سب سے پہلے تو مجھے معاف کر دو‘میں نے تمہارا اور اپنے ماں باپ کا دل دکھایا۔“بنا تمہید باندھے وہ بولا تو میں جیسے چونک اٹھی۔ واہ میرے مولا تیری قدرت!آج سترہ سال بعد احسن مراد کی معافی میرے لیے بے معنیٰ ہو چکی تھی اور سچ تو یہ تھا کہ انسان ہمیشہ اپنی ضرورت کے لیے ہی جھکتا ہے‘ ورنہ دوسروں کے احساسات تو اس کے نزدیک قطعی بے معنیٰ ہوتے ہیں‘مگر میں اس لمحے اسے کچھ بھی کہنے یا جتانے کے موڈ میں نہیں تھی‘سوائے یہ احساس دلانے کے کہ وہ آج بھی غلط تھا اور اس کی غلطی یہ تھی کہ وہ میرا یا تایا ابو کا خطاکار نہ تھا‘ بل کہ اس نے گستاخی اپنے پروردگار کی شان میں کی تھی تو معافی بھی یقیناً اسی سے مانگنی چاہیے۔

”تمہارا مجھ سے معافی مانگنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا‘کیوں کہ میں تمہیں بہت سال پہلے ہی معاف کر چکی تھی۔ضروری یہ ہے کہ تم اللہ سے معافی مانگو اور یقین

جانو‘جس دن اس نے تمہیں معاف کر دیا‘ تمہاری ہر آزمائش ختم ہو جائے گی۔“

”مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں اس سے کیسے معافی مانگو۔میں نے تو 29 سال سے نماز نہیں پڑھی‘قرآن پاک کھول کر نہیں دیکھا‘ہر پل اپنے رب اور دین کا مذاق اڑایا‘پھر کیسے میں اس کی طرف رجوع کروں۔

”مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں اس سے کیسے معافی مانگو۔میں نے تو 29 سال سے نماز نہیں پڑھی‘قرآن پاک کھول کر نہیں دیکھا‘ہر پل اپنے رب اور دین کا مذاق اڑایا‘پھر کیسے میں اس کی طرف رجوع کروں۔یقین جانو مجھے شرمندگی محسوس ہو رہی ہے۔“سر جھکائے وہ آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔

”یہی تو فرق ہے اللہ اور اس کے بندے میں۔بندہ رجوع کرتے ہوئے شرماتا ہے‘جب کہ میرا رب رجوع کرنے اور معافی مانگنے کو بہترین عمل قرار دیتا ہے اور ہر پل انتظار کرتا ہے ان لوگوں کا جو اس سے معافی کے طلب گار ہوں۔

بے شک وہ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔“

”تم کہو اللہ سے کہ وہ مجھے معاف کر دے‘میرے گناہ اس قابل نہیں کہ میں اس سے معافی مانگو۔“

”جو تم نے کیا اس کے ذمہ دار تم خود ہو احسن!للٰذا معافی بھی تمہیں ہی مانگنی ہو گی‘ البتہ میں تمہارے حق میں دعا ضرور کروں گی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کو ختم کر دے۔“یہ کہہ کر میں اٹھ کھڑی ہوئی‘جب کہ احسن بھی سمجھ گیا کہ میں اب مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔

”تمہارا شکریہ درشہوار کہ تم نے ہمیں اتنا وقت دیا اور تم ہمارے لیے دعا ضرور کرنا۔“

ٹوٹی ہوئی اردو بولتی شارلین میرے کندھے پر اپنا دایاں ہاتھ رکھتے ہوئے آہستہ سے بولی۔”انشاء اللہ!ضرور کروں گی۔“

اور وہ احسن سے میری آخری ملاقات تھی‘پھر سننے میں آیا کہ وہ امریکہ واپس چلا گیا ہے‘لیکن سچ یہ تھا کہ اس کے بچوں کی تکلیف نے مجھے دِلی اذیت پہنچائی اور میں ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے خصوصی دعا کرتی تھی‘جنہیں اپنے باپ کی سزا معذوری کی صورت میں مل رہی تھی۔

یہ آج سے ایک سال پہلے کی بات ہے‘جب میں اور رامس حج کی سعادت حاصل کرنے کے قابل ہوئے۔بچے ہم نے امی کے سپرد کیے اور خود اللہ کے گھر حاضری دینے آگئے اور وہاں پہنچ کر میں چلتے پھرتے اپنے پروردگار کا شکریہ ادا کرتی تھی‘جس نے مجھے اپنی بے شمار نعمتوں سے نوازا اور وہ بھی عطا کیا‘جس کے میں قابل نہ تھی۔

اس دن شاید جمعہ تھا اور مکہ مکرمہ میں ہلکی ہلکی بارانِ رحمت برس رہی تھی‘جس نے موسم کو خاصا خوشگوار کر دیا تھا۔حرم میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے بعد ہم دونوں باہر نکل آئے کہ اچانک کسی نے پیچھے سے میرا بازو پکڑ لیا‘میں چونک کر مڑی اور یہ دیکھتے ہی ساکت ہو گئی کہ میرے سامنے کوئی اور نہیں شارلین کھڑی تھی۔جی ہاں سو فیصد وہ شارلین ہی تھی‘سر پر اسکارف لیے‘ایک بالکل بدلی ہوئی شارلین۔

”تم اور یہاں...“مارے حیرت میرے منہ سے صرف یہ ہی دو الفاظ نکلے۔

”کیوں...کیا ہم یہاں نہیں آسکتے؟کیا اللہ ہمارا نہیں ہے؟“یہ جملہ کہنے والا کوئی اور نہیں احسن مراد تھا۔وہ احسن جسے خدا کے وجود کا کبھی یقین نہ تھا۔آج یہاں اللہ کے گھر میں کھڑا‘اللہ کے اپنا ہونے کا دعویدار تھا۔وقت اتنی تیزی سے بدلا کہ مجھے حیران کر گیا‘لیکن نہیں وقت نہیں بدلا تھا‘بدلا تو وہ انسان تھا جو میرے سامنے کھڑا تھا۔

”تم غلط سمجھے...میرا یہ مطلب نہیں تھا‘کیوں کہ اللہ تو سب کا ہے چاہے کوئی مانے یا نہ مانے۔“

”جو نہیں مانتا وہ سراسر غلطی پر ہے۔سچ تو یہ ہے کہ ایک وہ ہی تو ہے جو یہ سارا نظامِ کائنات چلا رہا ہے‘باقی سب فانی ہے۔“

احسن کے منہ سے نکلنے والے یہ الفاظ مجھے حیران کر رہے تھے۔مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جیسے مُلحد شخص کا دل کیسے پھیر دیا‘جو وہ اللہ کے در پر حاضری کے لیے آن پہنچا۔میں تو کئی ایسے لوگوں کو جانتی تھی جو حج کرنا چاہتے تھے‘مگر وسائل نہ تھے اور جن کے پاس وسائل تھے‘وہاں ٹائم نہ ہونے کا رونا تھا‘جب کہ اس کے تو بیٹے بھی بیمار تھے‘پھر یہ انھیں کس کے حوالے کر کے یہاں آیا؟سچ تو یہ ہے کہ اللہ کی لگن اور اس کی چاہ‘ہر ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہے‘جس کا واضح ثبوت اس لمحہ شارلین اور احسن کو اپنے سامنے حرم کے صحن مبارک میں کھڑے دیکھنا تھا۔

”یہ میرا چھوٹا بیٹا ہے‘جبکہ بڑے دونوں اندر ہی موجود ہیں۔ہم تو تمہیں دیکھ کر باہر نکل آئے تھے۔“میں نے دیکھا اس کے برابر ایک چودہ پندرہ سالہ خوبصورت نوجوان کھڑا تھا۔حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ اپنے پاؤں پر تھا‘یعنی دوسرے دونوں کی طرح معذوری کا شکار نہ ہوا تھا۔

”پاکستان سے واپس جا کر میں نے ایک دینی درس گاہ جوائن کی اور اپنے ہی دین کو ایک بار پھر سے اچھی طرح سمجھا۔شکر اللہ کا‘جس نے میرے ساتھ ساتھ شارلین کا دل بھی اپنی جانب موڑ دیا اور ہم دونوں وہاں موجود عالمِ دین کے پاس گھنٹوں بیٹھے رہتے۔سعد اور سلمان دونوں بھی اکثر میرے ساتھ جاتے۔یقین جانو!درشہوار... پچھلے تین سالوں کے ہر لمحہ میں‘ہم نے کھلے دل سے رات دن اپنے رب سے معافیاں مانگیں اور اس نے اپنی رحمت سے ہمیں معاف بھی کر دیا‘جس کا ثبوت تمہارے سامنے کھڑا میرا تیسرا بیٹا صادقین ہے‘جو بالکل صحت یاب ہو چکا ہے۔مجھے احساس ہو چکا ہے کہ جس طرح میرے معذور بیٹے بھی میرے لیے ناکارہ نہیں‘نہ ہی میں انھیں دن رات سنبھالتے ہوئے تھکا ہوں اور نہ ہی یہ چاہتا ہوں کہ انھیں مار کر میں خود آزاد ہو جاؤں‘بل کہ میں تو ان کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتا ہوں تو پھر میرا رب کیسے میری دینی معذوری کے بعد مجھے تنہا چھوڑ دیتا؟یا مجھے مار کر دنیا سے ایک مرتد اور ملعون کا خاتمہ کر دیتا؟اس نے تو مجھے صرف اپنا ہونے کا احساس دلانا تھا‘جو اس نے دلا دیا۔“

احسن بول رہا تھا اور میں رو رہی تھی‘یاں میرے گالوں پر بہنے والا پانی یقیناً میرے آنسو تھے‘جو خوشی کے تھے۔میں شکر گزار تھی اپنے رب کی‘جس نے احسن جیسے کافر کا دل مؤمن کر دیا اور یقیناً اس کا یہ عمل تایا ابو کی روح کو بھی شانت کرنے کا باعث بنا ہو گا۔

سچ یہ ہے کہ جو کچھ ہے‘صرف وہی ہے۔اس کے سوا کوئی کچھ نہیں اور دیر یا سویر یہ بات ہر بشر کی سمجھ میں آنے والی ہے‘اگر وہ جاننا چاہے تو...

خط نمبر 36

باپ کا بیٹی کے نام خط

اچھے اخلاق

میری سعادت مند بیٹی۔ہزار ہا دعائیں!

پیاری بیٹی! یادرکھنا کہ انسان کا حسن، تعلیم، اعلیٰ نسب، دولت، عہدہ، ذہانت اور معاشرے میں اعلیٰ مقام اس کی اپنی ذات کے لیے ہے، لیکن اچھے اخلاق دوسروں کے لیے ہوتے ہیں۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اچھے اخلاق کیا ہوتے ہیں؟ تو اچھے اخلاق کا مفہوم بہت وسیع ہے۔اس کی تشریح میں ہزاروں صفحات لکھے جاسکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق کے حقوق ادا کرنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا، بڑوں کا احترام کرنا، سب کو اپنی زبان اور ہاتھوں کی تکلیف سے محفوظ رکھنا، سب کی خیر خواہی کرنا، دھوکا نہ دینا، خیانت نہ کرنا، سچ بولنا، نرمی اختیار کرنا، ہر ایک سے اس کے مرتبے کے مطابق برتاؤ کرنا، جو اپنے لیے پسند کرنا وہی دوسروں کے لیے پسند کرنا، صحیح مشورہ دینا، بدزبانی سے بچنا، حیا و شرم اختیار کرنا، حتیٰ الامکان لوگوں کی حاجتیں پوری کرنا بے جا غصہ کرنا حسد اور کینہ کو دل میں جگہ نہ دینا انسب کا شمار اچھے اخلاق میں ہوتا ہے۔کائنات میں سب سے بلند ترین اور عمدہ اخلاق آنحضرت ﷺ کے اخلاق ہیں۔چناں چہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم: 14) اور بے شک آپ اخلاق کے عظیم اور بلند ترین رتبے پر ہیں۔

حسن اخلاق کی دو قسمیں ہیں (۱) اللہ تعالیٰ سے (۲) مخلوق سے اچھا برتاؤ۔اللہ تعالیٰ سے حسن خلق یہ ہے کہ اپنے ہر عمل کو ناقص سمجھتا ہے اور استغفار کرتا رہے اور اس کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر کرتا رہے، یعنی اس کی نعمتوں پر شکر اور اپنے عمل پر عذر کرتا رہے۔بندوں سے حسنِ اخلاق یہ ہے کہ اپنے قول و فعل سے انھیں نفع پہنچائے اور تکلیفوں سے بچائے ان میں بنیادی چیزیں علم، حلم، سخاوت و صبر و استقامت اور قوت و اطاعت ہیں۔

صاحب روح المعانی نے بروایت ابن المنذر حضرت ابوالدرداءؓ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے سیدہ عائشہؓ سے آپ ﷺ کے اخلاق کی بابت دریافت کیا تو انھوں نے جواب میں فرمایا: فَقَالَتْ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ (آپ ﷺ کے اخلاق قرآن کریم ہے۔) آپ ﷺ نے کبھی ایسا نہیں کیا جس سے خادم و غلام کمتری و ابتری کا شکار ہو، بل کہ آپ ﷺ حوصلہ افزائی فرماتے جو آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کا اعلیٰ ثبوت ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ ترجمہ: میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا: اَلرَّجُلُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ (ترمذی)

آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے 'لہٰذا اسے چاہیے کہ دوستی کرتے وقت دیکھ لے کہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔اس حدیث مبارکہ میں حضور اقدس ﷺ نے نیک صالح لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی تعلیم ارشاد فرمائی ہے۔صحبت کا یقینی اثر ہوتا ہے اس لیے اپنے نشست و برخاست اور اُٹھک بیٹھک اور مجالست نیک صالح لوگوں سے رکھنی چاہیے، کیوں کہ نیکوں کی صحبت اور دوستی آخرت میں بھی کام آنے والی ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ مومن بندہ اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے ساری رات نماز میں کھڑے رہنے والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے آدمی کا درجہ پالیتا ہے" (مشکوٰۃ المصابیح) یعنی اچھی خصلت و عادت جسے نصیب ہو جائے اسے دنیا اور آخرت کی خیر مل گئی۔اچھے اخلاق کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت وزن ہے۔ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ بھاری چیز جو مومن کی ترازو میں رکھی جائے گی وہ اچھے اخلاق ہوں گے۔

دراصل اچھے اخلاق کا مظاہرہ اُس وقت ہوتا ہے جب لوگوں سے تکلیف پہنچے تو صبر کرتے ہوئے خوبی کا رویہ اختیار کیا جائے۔

دعاگو

آپ کے ابو

ZUYUFUR RAHMAN Hajj & Umrah
ضُيُوفُ الرَّحْمٰن لِلْحَجِّ وَالْعُمْرَة
SINDH GL No. 3945
PUNJAB GL No. 7518

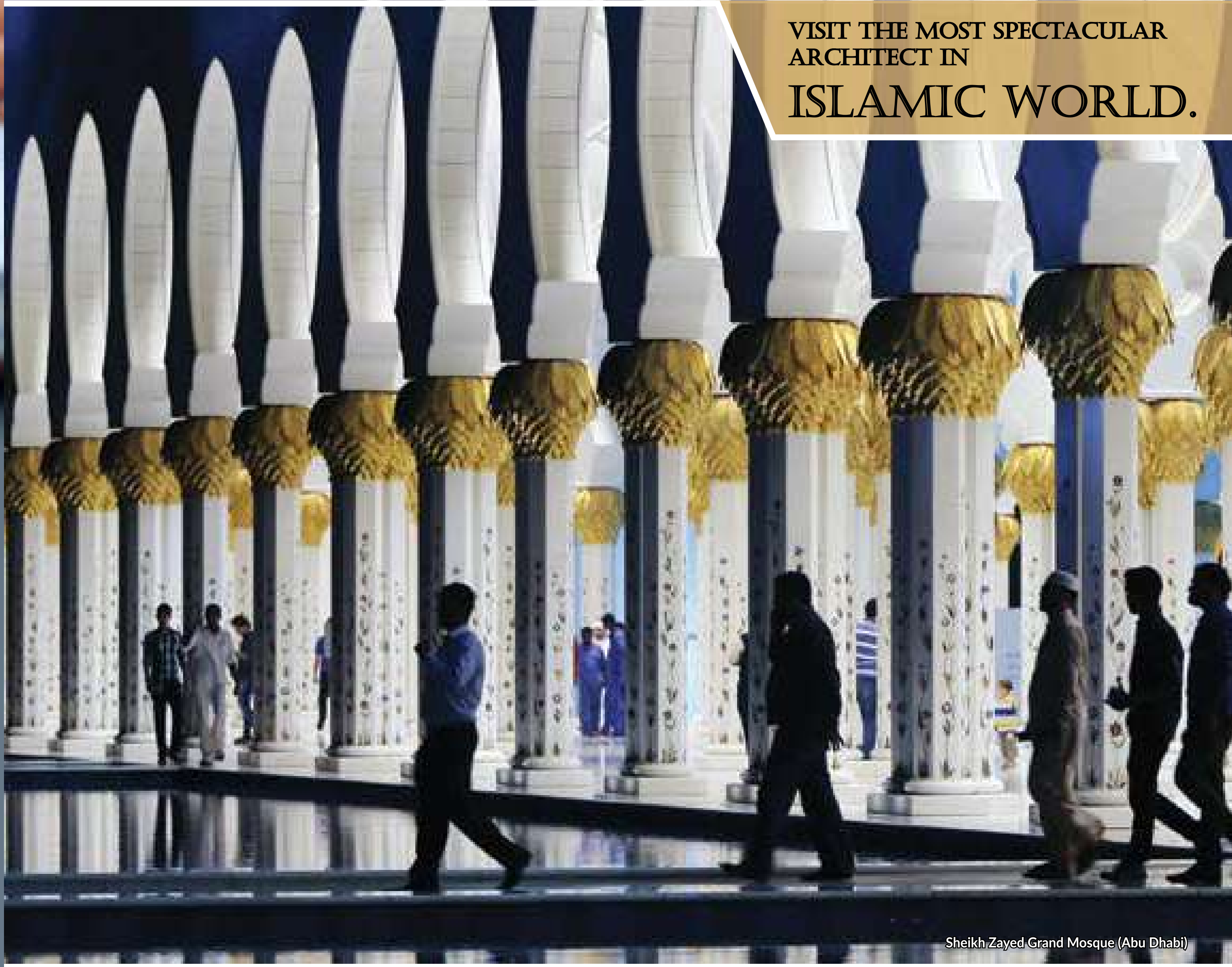

Sheikh Zayed Grand Mosque (Abu Dhabi)

SPECIAL HAJJ & UMRAH PACKAGES
available as per your requirement.

IATA Accredited Agent

HEAD OFFICE
Plot #. 17-C, Shop #. 4, Sunset Commercial Street 4,
Phase 4, near Bait-us-Salam Masjid, DHA Karachi.
Landlines: (92-21) 35392220 / (92-21) 35392221 Mobile: 0335-8288990

TAAP Travel Agents Association of Pakistan

BALOCH COLONY BRANCH
Landline: 021-34375577
Mobile: 0333-4375577

BAHADURABAD BRANCH
Landline: 021-34855999
Mobile: 0343 2418219

ORANGI TOWN BRANCH
Landline: 021-36654444
Mobile: 0333-3905063

MIRPURKHAS BRANCH
Landline: 023-3874800
Mobile: 0333-2977137

BAHAWALPUR BRANCH
Landline: 062-2201260
Mobile: 0307-7744445

MULTAN BRANCH
Landline: 061-6770710
Mobile: 0301-8778333

For more information, please contact your local branch.

info@zuyufurrahman.pk
/zuyufurrahman
www.zuyufurrahman.pk

گرم گرم تیل میں انڈے کے ڈلتے ہی عجیب سی چڑچڑاہٹ کی آواز کانوں میں سنائی دینے لگی۔ فضا نے فوراً دھواں باہر پھینکنے والا پنکھا چلا ڈالا۔ ایک طرف انڈا اچھل اچھل کر پک رہا تھا تو دوسری طرف چائے ابل ابل کر ختم ہو رہی تھی۔ اتنے میں ڈیڑھ سالہ مریم کے رونے کی آواز نے فضا کو مزید چوکنا کر دیا۔

"آ رہی ہوں بیٹا! بس دو منٹ۔" فضا نے کچن میں سے ہی اپنی بیٹی کو چپ کرانے کی کوشش کی۔ چائے اور انڈا دستر خوان سجا کر جب وہ اپنے کمرے میں گئی تو دیکھا کہ مریم خوشی خوشی اپنے باپ کے ساتھ کھیل رہی ہے۔ فضا نے سعد کی گود سے مریم کو اٹھایا اور کہا: "ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ آپ باہر جائیں، میں مریم کا ڈائیپر بدل کر آتی ہوں۔" جیسے ہی فضا باہر آئی تو اس نے دیکھا کہ ناشتہ جوں کا توں پڑا ہوا ہے اور سعد انتہائی دلچسپی سے ٹی۔ وی پر مارننگ شو دیکھنے میں مشغول ہے۔ اس نے آتے ہی ٹی۔ وی بند کیا اور کہا: "صبح صبح اس شیطان کے ڈبے کی وجہ سے برکت اٹھ جاتی ہے۔"

"ارے کیوں بند کیا؟ میں تو بس اس کے کپڑے دیکھ رہا تھا۔ میرا کام ہے کپڑوں کا مجھے آئیڈیاز مل جاتے ہیں۔" سعد نے اپنی صفائی پیش کی۔

"میں بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں کہ آپ کیا دیکھ رہے تھے۔" فضا کے لہجے میں غصہ بھی تھا، طنز بھی اور شک بھی جسے دیکھ کر سعد انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ مزے لینے لگا۔

"تو اور کیا کروں...؟ اب تم خود ہی دیکھ لو۔ اس مارننگ شو کی ہوسٹ تین بچوں کی ماں ہے اور جو ماڈل گیسٹ اس شو میں آئی ہوئی تھی اس کے تو چار بچے ہیں اور جسامت کسی 17 سال کی کنواری لڑکی جیسا اور تم ایک بچے کی ماں کیا بن گئی، پھول کر غبارہ بن گئی ہو۔" سعد نے بغیر سوچے سمجھے اپنی ظالمانہ تقریر جاری رکھی "معاف کرنا، لیکن جہاں جاتی ہو لوگ تمہیں مریم کے ساتھ ساتھ میری بھی اماں ہی کہتے ہیں۔"

"بہت فخر ہے نہ آپ کو اپنے دبلے ہونے پر" فضا جل بھن رہی تھی "ہر کوئی آپ جیسا خوش نصیب نہیں ہوتا سعد، جس کو اللہ میاں زمین پر بھیجنے سے پہلے ہی ہمیشہ دبلے رہنے کا سرٹیفیکیٹ ہاتھ میں تھما دیں" فضا نے اپنے غصے کو قابو میں رکھنے کی بہت کوشش کی "اور رہا سوال اس ہوسٹ اور ماڈل گیسٹ کا تو ان پر کوئی ذمہ داری ہوتی نہیں ہے۔ سارا کام نوکروں کے حوالے کر کے دو گھنٹے جم چلی جاتی ہیں اور ورزش کرتی ہیں۔ میرے سر پر بہت کام ہوتے ہیں۔"

"تو تمہارے پاس کسی چیز کی کمی ہے کیا؟ ہر کام کے لیے تو ماسی ہے اور جس کام کے لیے ماسی نہیں ہے تو اس کی مشین ہے تمہارے پاس۔ جم جانے کی اجازت میں تمہیں نہیں دے سکتا، البتّہ گھر پر رہ کر جتنی چاہے ورزش کرو۔"

اتنا کہہ کر سعد ناشتے میں مصروف ہو گیا اور فضا نے چپ رہنے میں ہی عافیت جانی۔ صبح صبح وہ کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتی تھی۔

سعد کے گھر سے جانے کے بعد فضا اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی، کھانا پکا کر اس نے ماسی کے ساتھ مل کر گھر کی صفائی کروائی۔ اس کے بعد اس نے مریم کو نہلا دھلا کر تیار کر کے سلا دیا۔ مریم کے سونے کے بعد، جب وہ خود تیار ہونے لگی تو آئینہ میں خود کو دیکھ کر سوچنے لگی۔

"کیا میں واقعی اتنی موٹی ہو گئی ہوں؟ شاید یہ میرا ہی قصور ہے کہ آج میرا شوہر دوسری عورتوں پر زیادہ توجہ دے رہا ہے۔ مجھے خود کو سمارٹ رکھنا چاہیے، تاکہ میں کسی سے کم نہ لگوں۔" فضا نے فیصلہ کر لیا کہ آج سے وہ اپنا وزن کم کرنے کی کوشش کرے گی۔ جم نہ صحیح، گھر پر ہی ایکسر سائز مشین منگوا کر خوب ورزش کرے گی تاکہ موٹاپا ختم ہو جائے۔ رات کو جب اس نے اپنا فیصلہ سعد کو سنایا تو بجائے اس کا حوصلہ بڑھانے اور ساتھ دینے کے سعد نے اس کا خوب مذاق اڑایا۔ وہ اتنا ہنسا اتنا ہنسا کہ پلنگ سے گر پڑا۔ مریم بھی اسے دیکھ کر خوش ہونے لگی۔

"دیکھو! مریم بھی میرے ساتھ ہے۔" سعد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟ اس میں ہنسنے والی بات کیا ہے آخر؟" فضا اپنے شوہر کے اس ردّعمل پر بہت افسردہ تھی۔ اندر سے اس کا دل بالکل ٹوٹ چکا تھا، لیکن وہ ان عورتوں میں سے تھی جو اپنی کمزوری کا اظہار سعد جیسے مردوں کے آگے کرنا بے وقوفی سمجھتی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں نہیں ہنستا۔ کر کے دکھا لو تم اپنا وزن کم۔" سعد نے خود کو قابو کرتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز میں ابھی بھی وہ لاپرواہی سنائی دتے رہی تھی۔

"اس کے لیے آپ مجھے ایکسر سائز مشین لا کر دے دیں۔" فضا نے اپنی ڈیمانڈ پیش کی۔

"ہاہاہا، ٹھیک ہے لا دوں گا۔" سعد نے ہنستے ہنستے ہوئے جواب دیا، جس سے فضا کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ سعد اس معاملے کو لے کر بالکل بھی سنجیدہ نہیں ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے اندر اپنا وزن کرنے کا عزم اور بھی مضبوط ہو چکا تھا۔ پھر کیا تھا اس نے اپنے پیسے جمع کرنا شروع کر دیے۔

مریم کی پیدائش پر ملے کچھ پیسے اور عیدوں پر میکے سے آنے والی عیدی کو فضا نے سونے کی انگوٹھی لینے کے لیے سنبھال رکھی تھی۔ کچھ مہینوں کی بچت اور یہ جمع کیے ہوئے پیسے ملا کر آخر کار فضا نے ایک عدد ایکسر سائز مشین منگوا ہی لی۔ اس کے سر پر وزن کم کرنے کا بھوت سوار ہو چکا تھا۔ اس نے خوب ورزش کرنا شروع کر دی۔ "وزن کم، وزن کم، وزن کم..." فضا ورزش کے دوران مسلسل ہانپتی رہتی۔ شروع کے دس پندرہ دن کی ورزش نے اس کے جسم میں بہت درد کیا۔ مالش والی ماسی کو بلوا کر اس نے مالش بھی کروائی، لیکن ورزش پھر بھی نہ چھوڑی۔ رفتہ رفتہ اس کے جسم کو ورزش کی عادت بھی لگ چکی تھی، لیکن یہ کیا... وزن کم نہ ہوا۔ البتّہ وزن مزید بڑھ ضرور گیا۔ یہ دیکھ کر فضا بے حد دلبرداشتہ ہوئی۔ ایک مہینے کی جدوجہد کے باوجود بھی اس کا وزن ایک کلو بھی کم نہ ہوا۔ اس کی آنکھیں گیلی ہو گئیں۔ "یا اللہ! اب میں کیا کروں..." ایک دن سعد نے دوبارہ صبح صبح جب مارننگ شو لگایا تو اس پر وزن کم کرنے پر بات چیت چل رہی تھی۔ وہاں سے فضا کو معلوم پڑا کہ صرف ورزش سے کچھ نہیں ہوتا، بل کہ اپنی خوراک کو کنڑول میں کرنا بہت زیادہ ضروری ہے۔ فضا کو احساس ہوا کہ اس کی خوراک تو ورزش شروع کرنے کے بعد سے بڑھ گئی تھی۔ ورزش اسے بہت تھکا دیتی تھی اور اوپر سے چھوٹی بچی کے پیچھے پورے دن کی مغزماری۔ فضا بہت تھک چکی تھی، اس کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔

"پسینہ آئے گا تو چربی پگھلے گی اور موٹاپا ختم ہو گا۔" اس نے خود کو تسلی دی۔

اپنی بے حد مصروف زندگی میں فضا نے اپنے لیے ایک اور کام نکال لیا تھا اور وہ تھا پرہیزی کھانا!! اب وہ سعد کے لیے الگ کھانا پکاتی اور اپنے لیے الگ۔ اس نے خود کو بس ابلی ہوئی دال اور ابلی ہوئی سبزیوں تک محدود کر دیا۔ یہ ابلا، پھیکا کھانا فضا کے گلے سے اترتا نہیں تھا، لیکن وہ ایک ہی بات ہر وقت گنگناتی رہتی "وزن کم، وزن کم، وزن کم" اور اس کے ساتھ ڈھیر ساری ورزش۔

آخر ہونا کیا تھا۔ کمزوری کے مارے فضا ایسی بیمار پڑی کہ ہاسپٹل جا پہنچی۔ منہ دبلا ہو گیا تھا، مگر جسم ویسا کا ویسا ہی رہا۔ سعد نے سختی سے فضا کو ورزش اور پرہیزی کھانے سے منع کرتے ہوئے کہا: "مجھے موٹی لڑکیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم دبلی پتلی ہو جاؤ۔ میں نے تمہارا جتنا بھی مذاق اڑایا اس کے لیے مجھے معاف کر دو۔"

"پر میں نے تو بہت محنت کی تھی اور میں اپنا وزن کم کرنا چاہتی ہوں۔" فضا نے مزید اسرار کیا۔

"لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم بیمار پڑ کر ہاسپٹل میں داخل ہو جاؤ اور میری معصوم بیٹی اور ہمارا گھر اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرے۔ ہوش کے ناخن لو فضا! اپنی ضد چھوڑ دو۔"

مریم کے بارے میں سن کر فضا خاموش ہو گئی۔ اس نے سب کچھ چھوڑ دیا۔ دوبارہ اپنی پہلی والی روٹین میں آ گئی۔ وہ بہت دلبرداشتہ ہو گئی تھی۔ اس نے خود کو گھر میں بند کر کے رکھ دیا۔ ایک دن اس سے ملنے اس کی بہن آئی۔

"یہ کیا حال بنا رکھا ہے تم نے اپنا؟ شکل دیکھو تم اپنی۔ کسی رومانسی فلم کی ہیروئن لگ رہی ہو۔" وفا نے گھر میں گھستے ہی اپنی حیرانگی کا اظہار کیا۔

"بس چھوڑ دو مجھے میرے حال پر" فضا نے بے زارگی کے عالم میں جواب دیا۔

وفا خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ فضا نے اپنے وزن کو اپنے دل و دماغ پر سوار کر لیا تھا اور پھر اس قدر بھاگ دوڑ کے باوجود بھی اسے رسوائی ہی ملی۔ اس کی تمام امیدیں اور خواب مٹی میں مل گئے تھے۔

"چلو باہر چلتے ہیں۔" وفا نے فضا کا موڈ بدلنے کی کوشش کی۔

"میرے پاس شاپنگ کے لئے ایک روپیہ تک نہیں ہے۔ میں اپنی ساری بچت اپنے لیے ایکسر سائز مشینوں کی خریداری پر برباد کر چکی ہوں۔" فضا نے چڑ کر جواب دیا۔

"میں نے کب کہا کہ ہم شاپنگ پر جا رہے ہیں۔" وفا نے کہا۔

"تو پھر...؟؟" فضا نے اسے سوالیہ نظروں سے گھورا۔

"میرے گھر کے نیچے ایک مدرسہ ہے۔ وہاں پر ہر جمعرات خواتین کے لیے ایک کلاس منعقد کی جاتی ہے، جہاں انھیں مختلف موضوعات پر قرآن و حدیث کی روشنی میں درس دیا جاتا ہے۔ آج جمعرات ہے تو چلو ہم وہاں چلتے ہیں۔"

"وفا پلیز... میرا بالکل بھی موڈ نہیں ہے ابھی کوئی لیکچر سننے کا۔" فضا نے انکار کرتے ہوئے کہا۔

"ہم یونیورسٹی نہیں جا رہے جو لیکچر سننا پڑے گا۔ درس میں جا رہے ہیں، کچھ اچھی باتیں سیکھنے کو ملیں گی" وفا نے اپنا پرس اٹھاتے ہوئے کہا "چلو چلو کھڑی ہو جاؤ۔ مریم کو بھی اٹھا لینا ساتھ میں۔"

"ارے... یہ عجیب زبردستی ہے۔" فضا نہ چاہتے ہوئے بھی کھڑی ہو گئی۔ اس سے پہلے کہ فضا کوئی اور بہانہ تلاش کرتی، وفا باہر نکل گئی۔

"میں باہر گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ جلدی آ جانا۔" جاتے جاتے وہ مریم کو بھی اپنے ساتھ لے گئی، تاکہ فضا مزید رکنے کا سوچے بھی نہیں۔

وہاں پہنچے تو درس ابھی شروع ہی ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی جا رہی تھی۔ سامنے کھڑی خاتون کہہ رہی تھی:

"انسان نے آج تک اپنے پیٹ سے زیادہ کوئی گھڑا نہیں بھرا۔ آدم کی اولاد کے لیے چند لقمے ہی کافی ہیں، تاکہ وہ کھڑا رہ سکے۔ اگر وہ یہ نہیں کر سکتا تو پھر ایک تہائی اپنے کھانے کے لیے، ایک تہائی پینے کے لیے اور ایک تہائی سانس لینے کے

لیے چھوڑے۔یہ بات میں خود سے نہیں کہہ رہی' بل کہ یہ بات آج سے چودہ سو سال پہلے ہمارے نبی ﷺ فرما چکے ہیں۔نافع بن حارث جو بنو ثقیف کے حکیم تھے اور جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ دیکھا تھا' ان کا کہنا ہے کہ جس بات نے انسان کو تباہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک کھانے کے ہضم ہونے سے پہلے اوپر دوسرا کھانا جما دینا۔

حضرت حسن بصریؒ کا کہنا ہے کہ اپنے پیٹ کا ایک تہائی حصہ خالی چھوڑ دو' تاکہ تم سوچ سکو اور سانس لے سکو۔"

فضا یہ باتیں سن کر حیران تھی۔یہ حدیث اس نے آج سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔اسلام نے نماز' زکوٰۃ اور روزے کے علاوہ کیا کہا ہے' یہ تو آج تک فضا نے جاننے کی کبھی کوشش بھی نہیں کی تھی اور اسلام نے کھانا کم کھانے کو ترجیح دی ہے' یہ بات اس کے لیے بہت حیران کن تھی۔

وہ خاتون مزید کہہ رہی تھی "آدم کو کھانے سے آزمایا گیا اور اسی سے تمہیں آزمایا جائے گا' قیامت تک۔حدیث میں یہ بھی ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ تم اپنے پیٹ کی خاطر بھٹک نہ جاؤ۔یہ تمام باتیں ہمارا دینِ اسلام تو بتا رہا ہے' لیکن کیا آپ جانتی ہیں کہ حال ہی میں سائنس دانوں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ کم کھانا صحت مند اور لمبی زندگی کی طرف لے کر جاتا ہے۔سائنس دانوں نے ریسرچ سے ثابت کیا ہے کہ کم کھانے والے لوگ' چوں کہ اپنے جسم میں کم کیلوریز ڈالتے ہیں' چناں چہ وہ بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ساتھ ہی ساتھ کم کھانا کھانے کے بہت سے روحانی فوائد بھی ہیں۔دل کا سکون و آرام' نفسانی خواہشات پر قابو' غصے کی کمی' سمجھنے کی صلاحیت کا بڑھنا یہ سب بھی کم کھانے کے فوائد ہیں۔"

فضا نے بہت غور سے یہ سب باتیں سنی۔گھر پہنچ کر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ آج سے اس حدیث پر عمل کرے گی۔رات کو جب وہ روٹی بنانے لگی تو اس نے اپنے حصے کی ایک روٹی کم بنائی۔اب وہ ایسا ہی کرتی تھی۔جب بھی کچھ بناتی' اپنے حصے کا تھوڑا کم کر دیتی۔رفتہ رفتہ اس نے محسوس کیا کہ اس کی خوراک کم ہوتی جا رہی ہے۔یعنی اپنے حصے کا تھوڑا کم بنانے کے باوجود بھی اس کا پیٹ بھر جاتا ہے تو پھر اس نے اب تھوڑا اور کم ہی بنانا شروع کر دیا۔

حدیث پر عمل کرنے کی نیت اس کے دل میں موجود رہی۔کچھ عرصے بعد اس نے محسوس کیا کہ اس کے کپڑے ذرا lose ہونے لگے ہیں۔شاید اس کا وزن کم ہو رہا تھا۔وہ حیران تھی کہ وزن کو کم کرنے کے لیے اس نے اتنے پیسے اور وقت ضائع کیا اور اب صرف ایک حدیث پر عمل کرنے سے کتنی آسانی سے ہو گیا۔

کاش...اسے یہ بات پہلے معلوم ہو جاتی۔

بقیہ

عافیہ مجھ سے دو سال چھوٹی ہے' لیکن اس کے والدین کے عقل مندانہ فیصلے نے اس کی زندگی آسان کر دی اور میں روز بروز بوڑھی ہوتی جا رہی ہوں کوئی مجھے اپنانے نہیں آتا۔لوگ عافیہ کی شادی کے وقت بھی باتیں بناتے تھے اور آج بھی باتیں بنا رہے ہیں۔

سوچوں کے اژدہام نے اس کا سکون غارت کر دیا تھا۔اسوہ اب ڈھلتے وقت کے ساتھ مزید بوڑھی ہو گئی تھی۔لوگوں کی ترحم آمیز نگاہیں' ترس بھری باتیں سن سن کر وہ حد سے زیادہ حساس ہو گئی تھی اور لاتعداد بیماریاں اسے گھیر چکی تھیں۔وقت گزاری کے لیے وہ درسِ قرآن و حدیث میں جانے لگی تھی۔ایک دن وہ گئی تو باجی بتا رہی تھیں کہ "دینِ اسلام نے نکاح کو عبادت کہا ہے۔حدیثِ قدسی ہے کہ : "النکاح نصف الایمان" یعنی نکاح نصف ایمان ہے۔آج ہمارے معاشرے میں نکاح مشکل ہو کر رہ گیا ہے' جو والدین اپنی اولاد کے جوان ہوتے ہی انھیں بیاہ دیتے ہیں' وہ سنتِ نبوی ﷺ پر عمل کرتے ہیں۔تب معاشرہ انھیں مذاق کا نشانہ بناتا ہے اور جو والدین بغیر کسی وجہ کے اولاد کی شادی میں تاخیر کرتے ہیں' وہ آپ ﷺ کی اس حدیث سے انکار کرتے ہیں "النکاح من سنتی" "نکاح میری سنت ہے" اسوہ کی آنکھوں سے آنسو لڑیوں کی صورت میں بہنے لگے۔باجی مزید بتا رہی تھیں کہ "نو عمری میں شادی' دینِ اسلام کا پسندیدہ طریقہ ہے۔خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نو برس کی عمر میں آپ ﷺ کے ساتھ ہوا۔"

اسوہ کی نگاہوں میں کئی برس قبل کی عافیہ کی تصویر گھوم گئی' جب اس کی شادی ہو رہی تھی تو سہیلیوں نے اس بے چاری کا بے حد مذاق اڑایا تھا اور اب وہ خود ہی مذاق بن گئی تھیں۔درس ختم ہو چکا تھا' مگر اسوہ ایک نئے عزم کے ساتھ اٹھی تھی' کہ اگرچہ اب اس کی تو شادی کی عمر گزر گئی' مگر وہ دوسرے والدین کو سمجھائے گی کہ ہرگز بیٹی کی شادی میں تاخیر نہ کریں۔جوں ہی کوئی اچھا رشتہ آئے تو فوراً بلا تاخیر بیٹی کو عزت کے ساتھ رخصت کر دیں' ورنہ جب پانی سر سے اونچا ہو جائے تو پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔جب تک والدین اپنی سوچ نہیں بدلیں گے اور سنتِ نبوی ﷺ پر عمل نہیں کریں گے تو بیٹیاں یوں ہی ان پر بوجھ بنی رہیں گی...!!!

النکاح من سنتی

روبینہ عثمان

فون کی گھنٹی کافی دیر سے بجے جا رہی تھی۔اُسوہ نے ہڑبڑا کر اسٹوری بک بند کی اور فون کا ریسیور کان سے لگایا' دوسری طرف اس کی عزیز از جان سہیلی عافیہ تھی۔

"السلام علیکم !اُسوہ کیسی ہو؟" عافیہ کی چہکتی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ مسکرا اٹھی۔

"بالکل ٹھیک...تم سناؤ کیسے فون کیا؟"

"بھئی !پہلے سلام کا جواب تو دو' پھر بتاتی ہوں۔" عافیہ خفگی سے بولی۔

"اوہو معذرت یار...وعلیکم السلام !اب بتاؤ؟" اسوہ سر پر ہاتھ مار کر بولی۔

"ہاں یار !وہ بیس مارچ کو میرا نکاح ہے سو تمہیں دعوت دینی تھی۔اپنی پوری فیملی کے ساتھ تم نے لازمی شرکت کرنی ہے۔" عافیہ شرما کر بولی۔

اسوہ کو اس کے نکاح کا سن کر سکتہ سا ہو گیا۔

"کک ... کیا ؟ تمہارا نکاح؟ اور اتنی چھوٹی عمر میں؟ خیریت تو ہے ؟"

"ہاں جی' بالکل خیریت ہے۔بس اچھے گھرانے سے رشتہ آیا تو امی اور بابا نے سوچا کہ مزید دیر نہیں کرنی چاہیے۔" عافیہ نے نرمی سے جواب دیا اور دو تین باتیں کرنے کے بعد فون بند کر دیا' جب کہ اسوہ گہری سوچ میں گم ہو گئی۔

عافیہ اور اسوہ دونوں بچپن کی سہیلیاں تھیں۔ایک ساتھ کھیل کود کے بڑی ہوئیں تھیں۔اسکول میں بھی ساتھ پڑھی تھیں۔اسوہ بیس سال کی تھی اور عافیہ اٹھارہ برس کی۔جوں ہی عافیہ تعلیم سے فارغ ہوئی تو اس کا رشتہ آ گیا اور اس کے والدین نے شریعت کے مطابق اس کا نکاح کرنے کا فیصلہ کر لیا۔جب کہ اسوہ کے بہت سے رشتے ٹھکرائے گئے' کیوں کہ اس کے گھر والوں کے نزدیک اسوہ ابھی کم عمر تھی۔جس جس نے عافیہ کی شادی کا سنا کوئی ہنسا' کسی نے مذاق اڑایا اور کوئی حیران ہوا۔طرح طرح کے فقرے سننے کو ملتے۔بے چاری بچی اتنی چھوٹی ہے اور اسے بیاہنے جا رہے ہیں' ایک بیٹی اتنی بھاری ہو گئی ہے' اور ہر طرح کے سخت جملے سننے کے باوجود عافیہ کے والدین مطمئن تھے' کیوں کہ وہ انبیا کرام علیہم السلام کی سنت پر عمل کرنے جا رہے تھے۔

آخر کار عافیہ رخصت ہو کر سسرال چلی گئی۔اسوہ سے رابطہ بہت کم ہو کر رہ گیا تھا' وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔زندگی کے شب و روز گزرتے گئے۔عافیہ چار بچوں کی ماں بن گئی تھی۔جب کہ اسوہ ابھی تک ماں باپ کی دہلیز پر بیٹھی ہوئی تھی۔تیس برس کی اسوہ کے اب رشتے آنا بند ہو گئے تھے اور جو آتے وہ اس کے معیار کے برعکس ہوتے۔اب تو ماں بھی اسے طعنے اور کوسنے لگی تھی۔جب کبھی عافیہ سے بات ہوتی' اس کے اندر تشنگی بڑھ جاتی۔عافیہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ بے حد مطمئن زندگی گزار رہی تھی۔

عافیہ کا سسرال اسلام آباد میں تھا۔ان دنوں کراچی وہ اپنے میکے آئی ہوئی تھی اور اسوہ کو ملنے کے لیے بلا رہی تھی۔خود اسوہ بھی اس سے ملاقات کی خواہش مند تھی۔اس کے آنے کے دو دنوں کے بعد وہ ملنے گئی۔

عافیہ کے بچے بہت خوبصورت اور مہذب تھے۔اس نے اپنے چاروں بچوں سے اسوہ کو متعارف کروایا۔

"یہ عبدالہادی ہے' دوسرا والا عبدالباری ہے اور یہ میری جُڑواں بیٹیاں ایمن اور ثمن ہیں" پھر عافیہ عبدالہادی کو ٹوپی پہناتے ہوئے بولی "تمہاری کوئی منگنی وغیرہ نہیں ہوئی ابھی تک۔"

اس کے سوال پر نجانے کیوں اسوہ کا دل ڈوب سا گیا۔تھوڑی دیر اور بیٹھنے کے بعد وہ دل پر ایک بوجھ لیے گھر لوٹ آئی۔

پھر جوں جوں اس کی عمر بڑھتی گئی' لوگوں کے طعنے بھی بڑھنے لگے۔

"اتنی بڑی عمر کی ہو گئی ہے' ابھی تک اس کی شادی نہیں ہوئی۔ماں باپ نہ جانے کب تک بوجھ لیے رہیں گے۔" اور لوگوں کی کاٹ دار باتیں سن کر وہ مزید مایوس ہو جاتی اور سوچتی' جب میری شادی کی صحیح عمر تھی تب میرے والدین نے دنیا دیکھی اور میرے ہر رشتے کو ٹھکرایا۔ (بقیہ ص 32 پر)

بلادہ بنتِ تمیم

اہلیہ محمد فیصل

بلادہ بنتِ تمیم رحمۃ اللہ علیہا 450ھ میں ایک امیر اور صاحبِ اثر کے ہاں پیدا ہوئیں۔ آپؒ کی جائے پیدائش تیونس کے ایک مشہور مقام ''مہدیہ'' بتائی جاتی ہے' ان کی ولادت کے موقع پر ان کے والد تمیم بن مضر بن بادیس نے انتہائی خوشی کا اظہار کیا اور بہ کثرت مال و زر خیرات کیا۔

تمیم بڑا ہی فیاض اور سخی تھا۔ اپنے وقت کا سب سے بڑا سخی مانا جاتا تھا۔ حسنِ اخلاق اور عاجزی بھی بے بہا موجود تھی۔ لوگوں میں صاحبِ تکریم گردانا جاتا تھا۔ معاملہ فہمی اور عقل و فراست میں بے مثال تھا۔ غریب سے لے کر بڑے بڑے رئیس بھی اس کے ساتھ کو سعادت سمجھتے تھے۔ اعتدال اور میانہ روی اس کی زائد خصوصیات میں سے تھیں۔ تمیم بن مضر چوں کہ خود اتنے اوصاف سے متصف تھا اور عالم و فاضل تھا' سو اس نے بلادہ کی تعلیم و تربیت کا خاص طور پر اہتمام کیا۔ بہترین اساتذہ مقرر کیے گئے۔ بلادہ کی تربیت کے لیے خالص عربیت کو چنا گیا۔ یہ عرب اور عربیت سے محبت کا ثبوت تھا۔ تفسیر' حدیث' بلاغت' فصاحت' نحو' ادب اور شعر و شاعری غرض تمام مروجہ علوم و فنون سے انھیں بہرور کیا اور ہر فن کے علیحدہ علیحدہ استاذ مختص کیے گئے۔

ان سب علوم کے ساتھ بلادہ ایک ایسی خاتون کی صورت میں ابھری اور پروان چڑھی' جو تمام محاسن کا مرقع تھیں۔ اخلاق و اتقا' سخاوت و غربا پروری' ہمت و شجاعت' عقل و دانش' فہم و بصیرت میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔ انھی خوبیوں کے طفیل بڑے بڑے امرا و وزرا کے پیغام ان کے لیے آئے' مگر بلادہ کا چچازاد ''ناصر بن علناس صنہاجی'' کے نام قرعہ نکلا۔ ناصر بن علناس بہت بڑا سردار تھا۔ انتہائی زیرک و فہیم' شجاع و بہادری کا پیکر تھا۔

نکاح کے وقت تیس ہزار طلائی دینار مہر مقرر کیا گیا' جو دونوں خاندانوں کی مالی حیثیت کے اعتبار سے موزوں تھا' مگر بلادہ کے والد تمیم نے فقط ایک دینار اٹھایا اور باقی رقم ناصر کو واپس کر دی۔

بلادہ کی شادی جس شان سے ہوئی' اس کی نظیر تاریخ میں بہت کم ہی ملتی ہے۔ زیورات اور ہیرے موتیوں سے تول دیا گیا تھا۔ اسی طرح سسرال میں بھی اسی شان سے استقبال ہوا۔ ایک عظیم الشان محل میں قیام کروایا گیا' جہاں کے باغات کے ایک ایک پتے کو معطر کیا گیا تھا۔ اس محل کو ''قصرِ بلادہ'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔

بلادہ اگرچہ اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں لیکن آپ غرور و تصنّع سے بے نیاز تھیں۔ ان کا سسرال بھی اس علاقے میں بہت مشہور تھا' تاہم اس خاتون کی عزت و احترام کی وجہ مال و دولت نہ تھی' بل کہ اصل وجہ ان کا علم و فضل' زیرکی و دانائی اور غربا و مساکین سے تعلق تھا۔ ایک خاص حلقے سے تعلق رکھنے کے باوجود بلادہ عوام سے براہِ راست رابطہ رکھتیں اور ان کے مسائل سے گہری دلچسپی رکھتیں اور ان کو حل کر کے دلی خوشی محسوس کرتیں ساتھ ساتھ غریب پروری' تواضع و انکساری سے طمانیت حاصل کرتی تھیں۔

آپ نے 60 سال کی عمر میں 510ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں اور ہم کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق ملے۔ آمین

Your Friend In Real Estate

جُنیدامِین

الحمدللہ پورے اطمینان اور بھروسے کے ساتھ
بحریہ ٹاؤن، ڈی۔ایچ۔اے سٹی اور ڈیفنس کراچی میں
محفوظ اور منافع بخش سرمایہ کاری۔
معلومات اور مشورے کے لیے
جُنیدامِین

BAHRIA TOWN
DHA CITY

نزد مسجد بیت السلام، خیابانِ جامی، فیز 4، ڈیفنس، کراچی
021-35313254 - 0300-9213373
junaidameen@live.com

لاڑکانہ میں ایک بے وقوف لڑکا رہتا تھا۔ نام تو اس کا لاریب تھا۔ مگر لوگ اسے للّو کہتے تھے۔ وہ جب کھانا کھاتا تو پیالی میں چمچہ الٹا رکھتا تھا۔ لسّی پیتا تو غٹا غٹ پی جاتا اور سانس تک نہ لیتا۔ بالوں میں کنگھا ہمیشہ الٹا کرتا۔ اس کی قمیص کا بٹن نیچے کا اوپر اور اوپر کا نیچے ہوتا تھا۔ جوتا پہنتا تو موزہ غائب ہوتا۔ پانی لوٹے سے پیتا۔ اس کی ایک بہن تھی جس کا نام لائبہ تھا۔ لائبہ ایک عقل مند لڑکی تھی۔ وہ اپنے بھائی للو کو بہت سمجھاتی تھی۔ للّو کو لہسن کی چٹنی، لوبیہ اور لوکی کی بھجیا بہت پسند تھی۔ لائبہ گرمی میں لیموں کا پانی شوق سے پیتی تھی۔ ان کے بابا لکڑی کا کام کرتے تھے۔ کئی لکڑہارے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر ان کے بابا کو بیچ جاتے تھے۔ ایک دن بابا آئے تو اداس تھے۔ دادی اماں لالو کھیت سے آئیں تھیں۔ وہ اپنی لاٹھی کے سہارے للّو کے ساتھ کمرے میں آئیں تو بابا کو پریشان دیکھا۔ بابا نے انھیں بتایا کہ جنگل کے پاس سے لنگور اور لومڑیوں نے کارخانے کو توڑ دیا ہے۔ دادی نے بابا کو صلاح دی کہ وہ شہر میں کارخانہ کھولے۔ بابا نے ایسا ہی کیا۔ کارخانے نے ترقی کی اور اس کا سامان لاہور لوکل میں جانے لگا۔ بابا نے کارخانے کے لیبلو ہے کا دروازہ بنوایا تھا۔ اس لیے اب انہیں فکر نہیں تھی۔ بابا جب گھر آتے تو لائبہ لوٹے سے ان کے ہاتھ پاؤں دھلواتی، اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے انہیں لسّی پلاتی۔ ایک دن بابا اس کے لیے لال پری اور للّو کے لیے لکڑی کا لٹو لائے لیکن للّو کو لٹو چلانا نہیں آیا۔ بابا نے اسے لٹو چلانا بہت سکھایا۔ انہوں نے ڈوری کو لٹو کے گرد لپیٹا اور زمین پر پھینکتے ہوئے رسی کو کھینچ لیا۔ لٹو تیز تیز گھومنے لگا۔ ہر اپیلا لال لٹو چلتا ہوا اور بھی اچھا لگتا۔ مگر وہ للّو ہی کیا جو اس کی سمجھ میں آجائے۔ اس کو سکھاتے سکھاتے محلے کے سارے لڑکے لڑکیوں کو لٹو چلانا آگیا۔ للّو منہ لٹکائے رونے لگتا۔ اماں، جنہیں لال بیگ سے بہت چڑ تھی، وہ باورچی خانے میں صفائی کرتے ہوئے اسے سمجھاتیں کہ للّو بیٹا! رو مت۔ رات کو بابا لٹو چلانا سکھادیں گے۔“

للّو رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ للّو نے ایک دوپہر لٹو کے گرد رسی خود لپیٹی پھر رسی کھینچی تو لٹو لڑکھڑایا۔ دوسری بار للّو نے رسی زور سے کھینچی تو لٹو گھومنے لگا۔ للّو بہت خوش ہوا۔ اسے اب لٹو چلانے میں بہت مزہ آنے لگا۔ اب تو دن رات للّو بس لٹو ہی چلاتا رہتا تھا۔ دادی اماں للّو کو سمجھاتی رہتی تھیں: ”للّو بیٹا! جو جھوٹ بولتا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ جو بچہ صرف کھیلتا ہے وہ بعد میں پچھتاتا ہے۔“

للّو دادی کے کہنے پر لٹو رکھ دیتا اور منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھاتا۔ باہر جانے سے پہلے غسل کرتا پھر نیا لباس پہنتا۔ دادی اسے دعائیں دیتیں۔ کسی نے بتایا کہ لاڑکانہ میں کھیلوں کے مقابلے ہونے والے ہیں۔ للّو نے لٹو چلانے کا مقابلہ جیتا تو اماں، ابا، دادی اور لائبہ بہت خوش ہوئے۔ اب للّو ایک سمجھ دار لڑکا تھا۔ اب لوگ اسے للّو کم اور لاریب زیادہ کہتے تھے۔

لاڑکانہ	ایک شہر کا نام	لسی	دودھ دہی اور چینی سے ملا شربت
لالو کھیت	ایک علاقہ	لیموں، لہسن، لوبیہ، لوکی	سبزیاں
لنگور، لومڑی	جانور	لوکل	ریل گاڑی
لال بیگ	ایک کیڑا		

خوشی محل

سویرا فلک

بہت دنوں کی بات ہے کہ دور کہیں ایک بڑا خوب صورت محل تھا۔ وہ پورا محل سونے کا بنا ہوا تھا' اس کے چاروں جانب خوب ہریالی تھی' جہاں ایک جانب خوش رنگ اور معطر پھول تھے تو دوسری جانب رسیلے پھل اور مزیدار سبزیاں تھیں۔ انھیں باغوں میں تتلیاں اور رنگ برنگے' خوبصورت آوازوں والے پرندے چہچہاتے پھرتے تھے۔ اسی باغ کے عین وسط (درمیان) میں ایک بڑا حوض تھا' جس میں رنگ برنگی چھوٹی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔

اس محل میں موجود لوگوں کو دنیا کی ہر نعمت اسی محل میں میسر تھی۔ پینے کو میٹھا ٹھنڈا پانی اور دودھ کی بوتلیں' تازہ پھل اور سبزیاں' سونے کے تاروں سے بنا لباس اور سونے کے لیے چاندی کے نرم بستر بھی تھے۔ اس محل کا بادشاہ اور ملکہ محل میں رہنے والوں سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کا بے حد خیال رکھتے تھے' اس لیے محل کے اندر رہنے والے بھی بے حد خوش اور مطمئن تھے' لیکن ایک بات جو بادشاہ اور ملکہ کو کچھ اداس کیے رکھتی تھی وہ یہ کہ ان دونوں کا بس ایک ہی بیٹا تھا۔ وہ جب سے پیدا ہوا تھا' اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہتے تھے' یہاں تک کہ جب شہزادہ ہنستا' مسکراتا یا کھیلتا تھا' تب بھی اس کی آنکھوں سے جاری آنسو نہیں رُکتے تھے۔ بادشاہ اور ملکہ نے اسے ایک سے ایک حکیم کو دکھایا' مگر کوئی بھی شہزادے کے بہتے آنسوؤں کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ وقت یوں ہی گزرتا رہا' آخر کار شہزادہ خوبرو جوان ہو گیا۔ اب ہوا یوں کہ اپنے اس عجیب و غریب عیب کے باعث شہزادہ لوگوں سے کترانے لگا۔ بادشاہ اور ملکہ کی خواہش تھی کہ اب وہ شہزادے کی شادی کر کے اپنی سلطنت کی ذمہ داریاں شہزادے کے حوالے کر دیں' مگر شہزادہ اپنے بہتے آنسوؤں کے عیب کے باعث شادی کرنے کے لیے راضی نہ تھا۔ اب بادشاہ اور ملکہ پریشان رہنے لگے' آخر کار انھوں نے اپنے تمام وُزرا کو مشورے کے لیے بلایا کہ ایسی صورتِ حال میں کیا کِیا جائے تو بادشاہ کے ایک نئے اور ہوشیار وزیر نے کہا:

"بادشاہ سلامت! اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں؟"

"ہاں نوجوان مشیر! کہو' کیا کہنا چاہتے ہو؟" بادشاہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے سر ہلاتے ہوئے اجازت دے کر کہا۔

"بادشاہ سلامت! اگر شہزادے کو کچھ عرصے کے لیے محل سے باہر کسی اور مقام پر بھیج دیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ آب و ہوا اور ماحول کی تبدیلی ان میں بدلاؤ لانے کا باعث بن جائے' کیوں کہ اکثر حکما لاعلاج اور پیچیدہ امراض کا علاج بھی ماحول کی تبدیلی بتایا کرتے ہیں۔" نوجوان وزیر نے سر جھکا کر مؤدب لہجے میں کہا تو بادشاہ نے فوری طور پر اس خوبصورت تجویز پر اسے انعام و اکرام سے نوازنے کا حکم جاری کر دیا اور ساتھ ہی یہ اعلان کیا کہ اگر اس تدبیر سے شہزادے کے بہتے آنسو بند ہو گئے تو وہ نوجوان وزیر کو ترقی دے کر "وزیرِ خاص" کے عہدے پر فائز کر دے گا اور اسی اعلان کے ساتھ اس نے نشست برخاست کر دی اور شہزادے کو محل سے باہر کسی اور مقام پر بھیجنے کے انتظامات کی تیاریوں کا حکم جاری کر دیا۔

آخر مقررہ دن اور وقت پر شہزادے کو ایک عدد خادمِ خاص کے ساتھ محل سے بہت دور ایک وادی میں بھیج دیا گیا۔ شہزادے نے اپنے آپ کو ایک چوغا نما لباس میں سر سے لے کر پیر تک چھپا لیا' تاکہ ایک تو اس کے بہتے آنسو نظر نہ آئیں اور دوسرا وہ اپنے حلیے سے عام سا شخص نظر آئے۔ ابھی شہزادہ اور اس کا خادم وادی میں پہنچے ہی تھے کہ تمام وادی کو سرمئی بادلوں نے اپنے لپیٹ میں لے لیا اور موسلادھار بارش شروع ہو گئی' ساتھ ہی تیز ہوائیں بھی چلیں۔ ایسے میں شہزادہ اور خادم خود کو بچانے کے لیے ایک گھنے پیڑ کے نیچے آ گئے' جس کے پاس ہی ایک چھوٹی سی کُٹیا تھی۔ آخر کار کچھ دیر بعد بارش رک گئی' مگر اب اندھیرا ہو چکا تھا۔ شہزادے اور خادم نے اپنے ساتھ لائے خیمہ کھول کر وہاں بستر لگایا اور درخت کی چند شاخیں اور پتے لے کر ذرا سی آگ جلا کر خود کو خشک کیا۔ اس کے بعد اپنے ساتھ لائے کھانے اور پانی سے پیٹ بھرا اور پھر آگ بجھا کر بستر پر لیٹے ہی تھے کہ شہزادے کو چند چھوٹے بچوں کی زور زور سے رونے کی آواز آئی۔ خادم اور شہزادے نے توجہ دی تو معلوم ہوا کہ آواز کُٹیا سے آ رہی ہے۔

دونوں کو خیال آیا کہ نجانے بچے اکیلے ہیں یا کسی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ ایسے میں وہ لوگ آہستہ آہستہ دبے قدموں سے کٹیا کی پچھلی جانب آئے' جہاں کھڑکی سے چراغ جلنے کی روشنی آ رہی تھی اور کٹیا کے اندر کا منظر واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔

ایک پھٹی پرانی چٹائی پر تین بچے' جن میں سے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں تھیں' نہایت پرانے' بوسیدہ اور بدرنگ کپڑوں میں ملبوس رو رہے تھے۔ اتنے میں ایک لڑکی جو عمر میں ان سے بڑی تھی' ایک بڑے تھال میں چند سوکھی روٹیاں اور چار پانی کے گلاس لے کر آئی اور بچوں کے سامنے رکھ دیے تو ایک بچہ جو تقریباً سات سال کا تھا' روتے ہوئے غصے سے بولا:

"باجی! اب ہم یہ نہیں کھائیں گے۔ پورا دن بھوکا رکھنے کے بعد تم ہمیں یہ کھانے کو دیتی ہو۔"

اس کو دیکھ کر باقی دو بچے جو بالترتیب پانچ اور چار سال کے تھے' وہ بھی ایسے ہی ضدی لہجے میں بولے:

"ہاں' ہاں! ہم بھی نہیں کھائیں گے۔"

تو وہ لڑکی جو چودہ' پندرہ سال کی تھی' ان سب کو گلے لگا کر بہت پیار سے بولی:

"میرے ننھے منے بہن بھائیو! ایسا نہیں کہتے۔ میں نے آپ کو بتایا نا کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ فرض کرو... اگر یہ بھی نہ ہوتا تو اس برسات کی رات میں ہمیں بھوکا رہنا پڑتا۔ میں نے کپڑے تو' سی لیے تھے اور کوشش تھی کہ آج وہ کپڑے مالکن کو دے آؤں گی' تب جو سلائی کے پیسے ملیں گے اُس سے تم لوگوں کے لیے پھل' سبزیاں اور مزے دار کھانے کی چیزیں لاؤں گی۔ کل انشاء اللہ! جیسے ہی دھوپ نکلے گی تو ہم مزیدار کھانا ہی کھائیں گے۔"

اس کا نرم' شفقت بھرا لہجہ اور لمس پا کر سات سالہ لڑکے نے اپنے آنسو پونچھے اور باجی کے گلے لگ گیا۔

"میری اچھی باجی! مجھے معاف کر دیں۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں کہ شکر ہے' یہ ٹکڑے بھی ہیں کھانے کے لیے اور ہمارے ہاتھ اور پیر بھی سلامت ہیں۔"

"ہاں اور شکر ہے کہ ہماری آنکھیں' کان اور زبان بھی سلامت ہیں۔" باقی دونوں بچوں نے کہا تو اس لڑکی نے سب کا باری باری ماتھا چوما اور کہا:

"شاباش میرے بچو! مجھے فخر ہے کہ میری سکھائی ہوئی باتیں تمھیں یاد ہیں۔ اب ایک اور بات یاد کر لو' کبھی ہمیشہ مشکل وقت نہیں رہتا۔ ہمارے والدین حادثے کے باعث ہم سے دور چلے گئے' مگر اللہ کا شکر ہے کہ مجھے امی سلائی سکھا چکی تھیں تو ہمارا گزر چل رہا ہے' ایسے ہی چند سالوں میں تم لوگ ذرا بڑے ہو جاؤ گے تو ہم مِل جُل کر اپنا کام بڑھا لیں گے' کیوں کہ مِل جُل کر کام کرنے میں برکت ہوتی ہے تو ہماری آمدنی بھی بڑھ جائے گی اور ہم بہتر زندگی گزار سکیں گے۔"

یہ بات سن کر تینوں بچوں نے سر ہلاتے ہوئے آمین کہا اور ہنستے ہوئے روٹی پانی میں بھگو کر کھانے لگے۔

تب شہزادے نے خادم سے کہا:

"ہم کل صبح ہی واپس گھر چلیں گے اور ابا جان سے کہیں گے کہ ہم اس لڑکی سے شادی کر کے اس کی اور اس کے بہن بھائیوں کی کفالت کی ذمہ داری اٹھائیں گے۔" یہ کہنا تھا کہ شہزادے کے بہتے آنسو رک گئے۔ خادم اور شہزادہ بڑے حیران ہوئے۔ بہر حال دوسری صبح وہ واپس روانہ ہو گئے۔ محل پہنچتے ہی شہزادے نے بادشاہ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ بادشاہ تو پہلے ہی بہت خوش تھا' اس نے فوراً نوجوان وزیر کو بلایا تاکہ اسے شاباشی دے کر انعام و اکرام سے نوازے۔ اس کے حکم پر نوجوان وزیر فوراً حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے کہا:

"اے نوجوان وزیر! ہم دل سے تیری عقل مندی کے قائل ہو گئے' مگر ہم حیران ہیں کہ ایسی تدبیر تجھے کیسے سوجھی؟"

تب نوجوان وزیر نے سر جھکا کر کہا: "بادشاہ سلامت! سچی خوشی اور سکون دوسروں کو دکھ سکھ بانٹ کر اور دوسروں کو خوشی اور سکون پہنچا کر ہی حاصل ہوتی ہے۔ بعض اوقات ہم اللہ کی عطا کردہ نعمتیں پا کر' ان لوگوں کو بھول جاتے ہیں جو کسی وجہ سے اس سے محروم ہوتے ہیں۔ اس لیے جب شہزادے نے اس لڑکی اور ان بچوں کو راحت فراہم کرنے اور خود کو عطا کردہ نعمتوں میں سے انھیں حصہ دینے کا سوچا اور ارادہ کیا تو شہزادے کے چہرے کی اداسی چھٹ گئی اور آنسو رک گئے۔"

بادشاہ نے اسی وقت وعدے کے مطابق نوجوان وزیر کو مشیرِ خاص کے عہدے پر فائز کر دیا اور ساتھ ہی خادموں کو حکم دیا کہ وہ اس لڑکی اور اس کے چھوٹے بہن بھائیوں کو باعزت طریقے سے محل میں لے آئیں' تاکہ وہ اس کی اور شہزادے کی شادی دھوم دھام سے کر سکیں اور پھر چند ہی دنوں میں شہزادے اور اس لڑکی کی شادی ہو گئی اور دونوں نے ملکہ اور بادشاہ کی جگہ سنبھال لی اور ساتھ ہی ایک ادارہ قائم کیا' جس کا مقصد مستحق لوگوں کی فلاح و بہبود تھا' کیوں کہ اب "خوشی محل" کے لوگ اصل خوشی کا مفہوم جان چکے تھے۔